شذرات

آج کل عالم اسلام کے حالات کو دیکھا جائے تو وہاں اضطرابی کیفیت کا کچھ احساس نظر آتا ہے اسلام کے نشأت ثانیہ کے ابھرنے سے یہ احساس کوئی بعید چیز نہیں ہے ہمارے اہل علم کو اسلامی اجتماعیت کی صحیح تعبیر اور تفسیر کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ دوسری صورت میں اسلامی انقلاب کی مخالف طاقتوں کی ریشہ دوانیوں سے مستقبل کی بھیانک تصویر بھی نظر آرہی ہے۔

ہمارے استاد مولانا عبید اللہ صاحب سندھی فرماتے تھے کہ ہمارے اہل علم ایک لمبے زمانے سے سلاطین کی انفرادی تحریکوں کا شکار رہے۔ انھوں نے اسلام کی اجتماعی قوت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر اس طرح غور کیا جاتا ہے کہ ساری نسل انسانی میں خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ ایک اکمل انسان پیدا کرے وہ فرد فرید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ اس موضوع کو ہر عالم اپنے فن سے توضیح کرتا ہے۔ اسی پر سیرت کی کتابیں کثرت سے لکھی گئیں۔

مولانا نے فرمایا کہ ہم نے جب سے یورپ کی سیاسیات کا براہ راست مطالعہ شروع کیا ہمیں انسانی اجتماعی تحریک کے دونوں اسکولوں (یعنی سرمایہ دار اور محنت کش) کے مطالعہ کا ایک حد تک پورا موقعہ ملا۔ آج کل کے لیڈر بین الاقوامی تحریکوں کو چلانے کے لئے مذہب سے عداوت رکھنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ سوشلسٹ اپنے مافی الضمیر کے چھپانے کی ضرورت نہیں جانتے۔ علانیہ مذہب پر حملہ کرتے ہیں۔ سرمایہ دار اسکول بھی معناً ان کا ہم صفیر ہے مگر اپنی سیاسیات کو چلانے کے لئے مذہبی لوگوں کو استعمال کرتا رہتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ علانیہ مذہب سے دشمنی نہیں خریدتے۔

ہم نے اس اجتماعی تحریک کا لادینیت سے کوئی اجتماعی ربط محسوس نہیں کیا اس لئے ہم نے لادینیت کو اجتماعی تحریک سے نکال کر پھینک دیا۔ اب جو اسلام میں ہماری واقفیت تھی وہ شاہ ولی اللہ کی امامت پر مرتکز تھی۔ شاہ صاحب کی کتابوں میں ہم نے اجتماعیت کا خاص زور دیکھا۔ اگرچہ وہ اسے نمایاں کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ملک کی عام حالت اس کو برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ ہمارا زمانہ شاہ پرستی کو چھوڑ کر بہت آگے بڑھ چکا ہے مجھے کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ شاہ صاحب کی طرح میں بھی اجتماعیت اسلامیہ کو نمایاں کرنے میں تامل کردں۔

اس فیصلے کے بعد پہلا اثر میرے افکار پر یہ آیا کہ مجھے قرآن شریف کی تفسیر پر نظر ثانی کرنی پڑی ہمیں اس سے انفرادیت کو خارج کرکے اصول اسلامیہ کی اجتماعی روح کو قائم رکھنا میں نے اپنے لئے ضروری قرار دیا۔

میں قریش کی ہستی حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کا پہلا نتیجہ قرار دیتا ہوں کہ ایک امت ہونی چاہیئے کہ وہ امم کو ہدایت دے (ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک)

پھر اس امت کی ضرورتوں کے لئے ایک فرد امام درکار ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق دنیا سے بواسطہ قریش ہے قرآن شریف کا ایک اشارہ ہمارے لئے "امت" کے اس تخیل کو درست کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۱) "محمد رسول اللہ" کے ساتھ والذین معہ ملا کر آپؐ کی تمام کامیابی کو جماعتی کام بنادیا گیا ہے (۲) کتب حدیث میں ایک جملہ معروف ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت برسر حق رہے گی اس کی تفسیر میں حضرت رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ما انا علیہ واصحابی۔

(۳) قرآن کریم نے جو دعا ہمیں اسلامی عقائد پر مضبوط رہنے کے لئے سکھائی وہ سورۂ فاتحہ میں مذکور ہے وہاں صراط مستقیم، صراط الذین انعمت علیہم سے کی گئی اور الذین انعم اللہ علیہم کی تفسیر خود قرآن شریف میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین سے کی گئی ہے اس سے فی البدیہہ قرآن شریف کی تعلیم کو اجتماعی سمجھنا ضروری تھا مگر کسی بے اتفاقی کا شکار ہو کر ہم انفرادیت کے دلدل میں پھنس گئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی نظر میں امام مالک کی کتاب موطا ایسی مرکزی کتاب ہے، جس پر فقہاء اور محدثین سب متفق ہیں۔ حضرت استاد مولانا عبیداللہ سندھی کی رائے میں اگر اس کتاب کو اصل قرار دے کر حدیث کی باقی کتابیں پڑھی جائیں تو ان کتابوں کی صحت پر یقین حاصل ہو سکتا ہے۔

قرآن عظیم اپنے موضوع کی مستقل کتاب ہے۔ مگر آیات احکام پر عمل کرنے کے لئے ہمیں دور نبوت اور خلافت راشدہ کا طرز عمل معلوم ہونا ضروری ہے۔ اس کے لئے ہمیں ایک فقہ کی کتاب درکار ہے جس میں تصریح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں ادا کرتے تھے یوں مسلمانوں سے زکوٰۃ اس طرح وصول کرتے تھے۔ بیع وشراء کے معاملات اِس طرح طے ہوتے تھے۔ غرض جمیع آیات احکام کی تفصیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے وفاقی دور (یعنی شہادت عثمان تک) سے معلوم ہونی چاہیئے اور یہ چیزیں موطا میں ملتی ہیں۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں جب باہمی جنگیں شروع ہوئیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدینہ چھوڑ کر عراق تشریف لے گئے۔ یعنی اہل مدینہ نے جو علم سیکھا تھا۔ اس پر فتنہ کا کوئی اثر نہیں پڑ سکا۔ اس کے بعد بنی امیہ کے دور میں سیاسی مرکز دمشق بنا۔ مگر انہوں نے علمی مرکز مدینہ طیبہ ہی کو تسلیم کیا۔ اس سے اہل مدینہ کا توارث بہت سے مسائل کو آسانی سے حل کرنے کا سبب بنا۔ اور یہ توارث موطا میں ملتا ہے۔ السنۃ التی لا اختلاف فیہا عندنا کذا وکذا کا جملہ امام مالک جب ارشاد کرتے ہیں تو اس سے یہی توارث مراد ہوتا ہے جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر بنی امیہ کے دور تک قائم رہا۔

مدینہ منورہ میں صحابہؓ کرام کے بعد سات فقہاء پیدا ہوئے (۱) سعید بن مسیب (۲) عروہ بن الزبیر (۳) قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق (۴) خارجہ بن زید بن ثابت (۵) عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود (۶) سلیمان بن یسار (۷) ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث یا سالم بن عبداللہ بن عمر یا ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف۔ ان فقہاء سبعہ نے اہل مدینہ کے تمام تر علم کو محفوظ کر دیا پھر ان کے شاگردوں امام ابن شہاب زہری وغیرہ سے امام مالک نے علم لیا۔ لہذا ان کی کتاب موطا سے بڑھ کر دنیا میں کسی کتاب کا صحیح ملنا ناممکن ہے۔